ماہنامہ

بہاول نگر

سرائے اُردو

ستمبر 2022ء

دفاع نمبر

فہرست

مدیر کا صفحہ	2	کیا ہم آزاد ہیں؟	فرحت عباس چوہان 36
حمد	انتخاب۔ فاکہہ قمر 3	لگائے آگ جو آئے تھے	سیدہ حفظہ احمد 37
نعت	انتخاب۔ محمد طیب صدیقی 3	باہمت انسان بنو	ایوب اختر۔ لیاقت پور 40
ہر دن ہے یوم دفاع	ماہ نور خان۔ مانسہرہ 4		
میزائل چوک	راج محمد آفریدی 7		
ذہنی غلامی سے آزادی کیسے ممکن ہے؟	ہانیہ ارمیا 8		
یوم دفاع	دانیال حسن چغتائی 10		
ستمبر اور ستمگر دشمن	محمد فیصل علی 14		
یوم دفاع کا مقصد اور اہمیت	وقار احمد۔ نوشہرہ 15		
متحرک ادیبہ (انٹرویو)	تحریر و ملاقات۔ فاکہہ قمر 17		
لکھاری بننے کا مقصد	این اے صدیقی۔ کراچی 23		
پرواز جنون	حمیرا علیم 24		
6 ستمبر استقلال کا استعارہ	مولانا محمد طارق نعمان 26		
شانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	ارسلان اللہ خان 30		
یوم دفاع	بیگم سیدہ ناجیہ۔ کراچی 31		
مناسب فاصلہ	صفدر علی حیدری 32		
نیوی کا کردار	محمد ذوالقرنین۔ لودھراں 32		
ایک عظیم خاتون	جنت خان 34		

مدیر کا صفحہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں امید کرتا ہوں کہ تمام معزز قارئین خیریت سے ہونگے۔ ستمبر کے حوالے سے ایک اور خاص نمبر پیش خدمت ہے۔ ہم آپ لوگوں کے مشکور ہیں کہ آپ میگزین کو اتنی پذیرائی دیتے ہیں اور شدت سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔ ستمبر ہماری ملکی تاریخ کے حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل مہینہ ہے۔ آج سے ستاون برس پہلے ہمارے ازلی دشمن بھارت نے جس طرح بزدلی سے رات کے اندھیرے میں حملہ کیا، تاریخ اس کی کوئی دوسری نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ارض وطن آج ایک بار پھر خطرات میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہمیں آج پھر اسی جذبے کی ضرورت ہے تاکہ ارض وطن کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ نکال سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں لکھاری دوستوں سے ملتمس ہوں کہ وہ بروقت اپنی تحاریر ارسال کیا کریں تاکہ آپ کو انتظار کی زحمت سے بچایا جا سکے۔ بہت شکریہ۔

آپ سب کا خیر اندیش: دانیال حسن چغتائی

السلام وعلیکم!

امید ہے آپ سب خیریت ہوں گے۔

ستمبر کا ماہ ہمیں اُن شہدوں کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے اس وطن عظیم کی حرمت کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا تھا اور دشمن کے ناپاک عزائم ملیامیٹ کر دیے تھے۔ دشمن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس دھرتی ماں کے سپوتوں سے لڑنے جا رہا ہے۔ اُن کے حوصلے کتنے بلند ہیں۔ جنہیں آج بھی وطن کی ہوائیں سلام کہہ رہیں ہیں۔ آپ کی خدمت میں ماہ ستمبر کا خاص شمارہ حاضر خدمت ہے۔ امید ہے آپ کو یہ شمارہ بھی پسند آئے گا۔

آپ کی آراء کا منتظر۔

بہرام علی وٹو (مدیر ماہنامہ سرائے اردو بہاول نگر)

منتظمِ اعلیٰ: ذوالفقار علی بخاری
مدیرِ اعلیٰ: دانیال حسن چغتائی
مدیر: بہرام علی وٹو
معاون مدیرہ: فاکہہ قمر
ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ: محمد طیب صدیقی

حمد

انتخاب فاکہہ قمر

وہ جس کے حکم سے بہتی ہے چاندی آبشاروں میں
وہی جلوہ فگن ہے رات دن اور چاند تاروں میں
اس کے حکم سے کانٹے گلوں کے ساتھ بڑھتے ہیں
شجر کی گود میں خاموش، سب پروان چڑھتے ہیں
اس کے حکم کی تعمیل صبح و شام کرتے ہیں
زمین و آسماں شام و سحر، دم اس کا بھرتے ہیں
وہی سرسبز کر دیتا ہے بے جاں کوہساروں کو
عطا کرتا ہے وہ رنگینیاں دل کش بہاروں کو
وہی خالق ہے صبح و شام کے رنگیں نظاروں کا
محافظ ہے شب تاریک میں روشن ستاروں کا
جب اس کے رحم کی کرنیں دلوں کو جگمگاتی ہیں
مسرت سے غریبوں کی نگاہیں مسکراتی ہیں
یہ فوقانی، دعائیں اس سے عرض حال کرتی ہیں
گناہوں کا زبان اشک سے اقبال کرتی ہیں

نعت رسول ﷺ

انتخاب: محمد طیب صدیقی

اُسی سے حق کا ظہور آپ کے زمانے میں
حرا میں اُترا جو نُور آپ کے زمانے میں
اُسی پہ قافلہءِ ارتقاء روانہ ہوا
کھلی جو راہِ شعور آپ کے زمانے میں
کسی کے سامنے کسی کی جبیں نہ جُھکتی تھی
غریب بھی تھے غیور آپ کے زمانے میں
مجھے رُلاتی ہے کوتاہیءِ نصیب میری
میں کیوں ہوا نہ حضور آپ کے زمانے میں
ذرا خیال کیا اور پہنچ گیا کوثر
زمانے کر کے عبور آپ کے زمانے میں

ہر دن ہے یومِ دفاع

ماہ نور خان، مانسہرہ

خاکی ساڑھی میں پر اعتماد چال چلتے ایک عورت اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ سیدھ میں دیکھتی ڈائس کے پیچھے آکر رکی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی مگر وہ نمی معمول والی نمی نہیں تھی وہ جوش سے بھری آنکھوں والی نمی تھی۔ ہال میں بیٹھے ہر شخص کی نگاہ اس پر تھی۔ اسے آج بلایا گیا تھا خاص دن پر اپنے خاص الفاظ لوگوں تک پہچانے کے لیے۔ وہ ایک گہرا سانس لیتے آگے کو جھکی اور مسکرائی۔ ایسی مسکراہٹ جو اداس چہروں پر شادمانی لیے ہوتی ہے۔" میں دیا اجمل ہوں۔ ڈاکٹر دیا اجمل۔ ایک پاکستانی کی بیٹی، میں ہوں پاکستان کی بیٹی۔ آپ لوگ دیکھ رہے ہوں گے آج یومِ دفاع منایا جارہا ہے" اس نے اپنے پیچھے اجلے حروف میں لکھے "یومِ دفاع" کی طرف اشارہ کیا۔"یعنی کہ 6 ستمبر یومِ دفاع۔ یعنی ستاون سال پرانا وہ دن جب بھارتی فوج نے بنا اطلاع دیے پاکستان پر دھاوا بول دیا۔ وہ دن جو ہم ستاون سالوں سے مناتے ہیں وہ دن نہیں تھا تباہی تھی اور اس تباہی کے آگے سیسہ پلائی دیوار بنا کون بھلا؟ ہمارے وطن کے فوجی۔ کچھ وہ فوجی جن کے نام ہوئے اور کچھ وہ جو گمنام چلے گئے مگر اپنا قول نبھا گئے جو ہر مسلمان نے بھارت سے پاکستان آتے ہوئے ہندوؤں کو للکار کر کیا تھا۔ کہا تھا اے ہندوؤں! تم اکثریت میں ہو تو کیا ہوا مسلمان وہ جذبہ رکھتا ہے کہ 313 کا لشکر 1000 کو مات دے دیتا ہے۔ میں چھوٹی تھی جب ابا کہانیاں سنایا کرتے تھے اور آخری کہانی بائیس سال پہلے ابا نے سنائی تھی جو من وعن یاد رہ گئی کیونکہ وہ ابا کی سنائی آخری کہانی تھی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے اس جہاں جنت کے گیت سننے" اس کی آواز میں نمی گھلنے لگی تھی۔ ہونٹ کاٹتے اس نے خود کو کمپوز کیا اور پھر سے بولنا شروع ہوئی۔

"ابا بتاتے تھے ان کا ددھیال قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گیا تھا اور وہیں ان کے ابا یعنی کہ میرے دادا کی شادی ہوئی تھی۔ میرے ابا دادا کی آخری اولاد تھے۔ ابا بتاتے تھے کہ ان کی عمر کوئی دس سال کے قریب قریب تھی جب پاک بھارت جنگ چھڑی تھی۔ ابا نے بتایا کہ ان کا گھر بارود گرنے سے بکھر گیا تھا۔ جب بھارت کا جنگی جہاز اس علاقے کی طرف آیا تو ان کی ماں نے انہیں دو بڑے بھائیوں کے ساتھ بگھا دیا وہاں سے کہ شہر سے دور چلے جاؤ اور خود گھر کے ساتھ بکھر کر رہ گئیں۔ اسے گمنام شہادت سمجھیے، ایک ادنیٰ سی قربانی سمجھئے اس عورت کی جس نے مستقبل کے تین بہادر فوجیوں کو وہاں سے نکالا اور خود جنت کی راہ پر نکل گئیں" آواز میں نمی تھی مگر آنکھ سے ایک قطرہ نہیں گرا تھا۔ شہداؤں کے وارثوں کے حوصلے بڑے بلند ہوتے ہیں۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔ "6 ستمبر 1965ء کے دن بھارت نے حملہ کر کے پاکستانیوں پر ثابت کر دینا چاہتا تھا کہ وہ طاقت میں ہے لیکن وہ بھول گیا تھا وہ للکار مسلمانوں کی جب کہا تھا اللہ کے راہ پر چلنے والوں کے 313 کا قافلہ بھاری ہے 1000 کے لشکر پر۔ لاہور کو دل کہنا غلط نہ ہو گا ہندوستان کا۔ تقسیم سے پہلے لاہور بھی پنجاب کا حصہ ہوا کرتا تھا اور امرتسر کے بہت قریب تھا اور اتنا ضروری حصہ تھا کہ فقط ایک لاہور کی خاطر لالچ کا رال ٹپکاتے وہ لاہور پر چڑھ دوڑے۔ وہ آئے تھے غرور کے ساتھ لاہور میں ناشتہ کرنے اور پھر ان کا خواب خواب ہی رہا لیکن کیا کریں ہم پاکستانی ذرا مزاج کے نرم اور خدا ترس واقع ہوئے ہیں۔ ناشتے کے ادھورے خواب کے کئی سالوں بعد خدا ترسی میں ابی نندن کو چائے پلا کر ہی بھیجا" وہ مسکرائی تھیں۔ ہال میں بھی ہلکی سی ہنسی گونجی۔ "پاکستان سے کئی گنا بڑے ملک بھارت کے پاس پاکستان سے کئی گنا زیادہ اسلحہ و جنگی سامان تھا اور فوج بھی کئی گنا زیادہ تھی لیکن دشمن کے ان مذموم اور ناپاک ارادوں کو پاک فوج کے غیور، نڈر، بہادر اور جذبہ شہادت سے سرشار نوجوانوں نے چند دنوں میں ہی خاک میں ملا دیا۔ ابا بتاتے تھے کہ ان کے ابا خضور یعنی میرے دادا جان نے سینے پر آٹھ گولیاں کھائی تھیں لیکن مرنے سے پہلے جنگی طیارہ تباہ کر چکے تھے۔ یہ ایک اور گمنام دفاعی کی داستاں جسے فکر تھی تو وطن کی آبرو کی۔ جس نے میدان میں اترتے یہ نہیں سوچا تھا کہ پندرہ، بارہ اور دس سال کے تین بچے ہیں میرے۔ آخری بار بچوں کو دیکھ کر کہا تھا دیکھو تینوں مجھے۔ آج اگر تم میں سے کوئی بھی بچ گیا تو وہ وطن کے دفاع کے لیئے ہر دن لڑے گا۔ اس کہانی کو سناتے ابا رو دیئے تھے۔ کئی گمنام

شہید تھے ، جنہیں لوگ نہیں پہچانتے لیکن اوپر وہ سرخرو ہو گئے۔اس دن ابا اور ان کے دونوں بھائی بچ گئے۔ بھارت منہ کی کھا کر واپس بھاگ گیا۔ حالات ساز گار ہوئے مگر تباہی کے کھنڈرات رہ گئے۔ ابا بتاتے ہیں تینوں بھائیوں نے بڑی مشکل سے سروائیو کیا اور پھر ایک دن اس مقام کو پہنچے جس کا وعدہ دادا نے آخری وقت میں لیا تھا۔ میرے بڑے تایا فوجی تھے۔ اپنی شادی کے ایک سال بعد ایک مشن میں شہید ہو گئے۔ ان کی وفات کے دو ماہ بعد ان کا بیٹا ہوا تھا۔ وہ اولاد کا منہ دیکھنے کی خواہش لیئے چلے گئے تھے" انہوں نے چشمہ اتار کر باقاعدہ آنکھیں صاف کی تھیں کیونکہ اب کہانی اس موڑ پر تھی جہاں سب کو رونا تھا۔" بڑے تایا کا بیٹا بھی فوجی ہے۔ شہادت کی چاہ لیئے بہادری سے لڑتا ہے اور پیچھے ماں اور بیوی کے لیئے خدا کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ جو بارڈر پر وطن کا دفاع کرتے ہیں ان کے گھر والوں کے پاس خدا ہوتا ہے اور خود کہتا ہے میں ہوں ورنہ اتنا حوصلہ کسی میں نہ ہو کہ شوہر کو قربان کرنے کے بعد بیٹے کو بھی نچھاور کر ڈالے" ہر آنکھ اشکبار ہوئی تھی۔ ہر دل نے گواہی دی تھی کہ وہ جو دفاع میں گمنام ہوئے تھے بڑے نام کے تھے وہ۔" میرے ابا فوجی تھے لیکن کبھی بارڈر پر نہیں بھیجا گیا انہیں۔ وہ دشمن کا منہ توڑ کر سینے پر گولی کھانے کا جگرا رکھتے تھے مگر وہ بارڈر پر نہیں جا پائے تھے۔ بڑے اچھے تھے میرے ابا۔ میرا بھائی جس دن ٹریننگ پوری کر کے گھر لوٹا تھا ابا کی آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا مظبوط بننا اتنے مظبوط کہ دشمن کی گولی سینے پر لگے تو سینہ چیر کر نہ نکلے اور خدا اور وقت گواہ ہیں۔

☆☆☆☆

میزائل چوک

راج محمد آفریدی۔ درہ آدم خیل

ایک مقامی سیاحتی کمپنی نے شہر کی سیر کے لیے نئی بس سسٹم متعارف کرائی۔ اگلے ہی روز نعیم نے اپنے بچوں کو ان بسوں میں شہر کی سیر کروانے کا ارادہ کیا۔ چھٹی کے روز وہ اپنے دونوں بچوں ارفعہ اور سلیم کے ہمراہ شہر چلا گیا۔ ٹکٹ خرید کر اس نے بطور ٹوور گائڈ بچوں کو ہر چیز کے بارے میں بتانا شروع کیا۔

سفر کے آغاز میں سلیم نے کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لیں۔ بس کے روانہ ہوتے ہی سلیم کا منہ بھی چلنے لگا البتہ ارفعہ یہاں وہاں دیکھ کر بابا سے سوالات پوچھنے لگی۔ نعیم اسے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیتا رہا۔ اتنے میں بس "میزائل چوک" پر سے گزرنے لگی۔ ارفعہ نے میزائل سٹیچو دیکھ کر فوراً بابا سے پوچھا۔ "بابا یہ پنسل کی طرح کی چیز کیا ہے؟"

نعیم نے مسکرا کر بیٹی سے کہا۔

"بیٹا! اسے میزائل کہتے ہیں۔" "اور یہ کس کام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کیا یہ اصلی ہے؟"

بیٹی نے مزید پوچھا۔ نعیم نے کہا۔ "بیٹا! یہ دفاع کی علامت ہے۔ دنیا کا ہر ملک اسے اپنی حفاظت کے لیے تیار کرتا ہے۔ اور یہ اصل کی نقل ہے۔ اصل میزائل کی نمائش 6 ستمبر کو ہر سال ہوتی ہے۔"

اس کے بعد ارفعہ نے اگلا سوال داغا۔ "بابا جانی! کیا ہم نے میزائل کو کسی ملک سے خریدا ہے؟"

نعیم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ سلیم بھی متوجہ ہوا۔

" نہیں بیٹا! پاکستانی سائنس دانوں نے دن رات محنت کر کے ملک خداداد پاکستان کی حفاظت کی خاطر میزائل ٹیکنالوجی کو اپنی مدد آپ کے تحت حاصل کیا ہے۔"

نعیم نے اپنی بات مکمل کی۔ اس دوران بس ایک ریستوران کے سامنے رکی۔ سیاح چائے پینے کے لیے بس سے اترے۔ ریستوران کے قریب چند دکانیں تھیں۔ سلیم وہاں ایک دکان میں کھلونا میزائل دیکھ کر گویا ہوا۔

"بابا جانی! مجھے کھلونا میزائل لے کر دیں۔ میں بھی 6 ستمبر کو اس سے کھیلوں گا۔"

نعیم نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" اس نے کھلونوں کی دکان سے لگے دوسری دکان سے سلیم کے لیے پنسل خرید لی جو دکھنے میں تو میزائل جیسی تھی مگر اس سے کہیں زیادہ طاقت ور۔

☆☆☆☆

ذہنی غلامی سے آزادی کیسے ممکن ہے؟

تحریر: ہانیہ ارمیا

غلامی کی سب سے بدترین شکل دل و دماغ سے آزادی کی خواہش کا مٹ جانا ہے۔ جو پرندے پنجروں میں رہنے کے عادی ہو جائیں، ان کے پر نہ تو پنجروں سے ٹکراتے ہیں اور نہ ہی انھیں صیاد کے کسی رویے کی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ ذہنی طور پر غلامی کے نہ صرف عادی ہو جاتے ہیں بلکہ بخوشی اسے قبول بھی کر لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر اس زمین پہ اتارا ہے اور اس رتبے کے ساتھ اسے عقل، شعور، ہمت اور اعتماد جیسی صفات سے بھی نوازا ہے۔ اشرف المخلوقات کی حیثیت سے انسان کی عظمت اس میں ہے کہ خدا کے سوا وہ کسی کے سامنے سر نہ جھکائے اور نہ کسی ذہنی و عملی غلامی میں مبتلا ہو۔

بدتر ہے موت سے بھی غلامی کی زندگی
مر جائیو مگر یہ گوارا نہ کیجیو!

ذہنی غلامی کی بے شمار مثالیں معاشرے میں جابجا بکھری ملتی ہے۔ تعلیم کا فرسودہ نظام، روزگار کے چھن جانے کا ڈر ذہنی غلامی کی بدترین اصناف ہیں۔ جب انسان باعثِ خوف اپنے بھی حق کے لیے مزاحمت نہ کرے تو اس سے بڑا کمزور اور غلام اور کوئی نہیں۔ ذہنی غلامی فقط فردِ واحد کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ بدذائقہ لذت بسا اوقات پوری قوم پہ مسلط ہو جاتی ہے۔ ذہنی غلامی کی شکار قومیں نہ اپنے ذہن سے کچھ سوچتی ہیں نہ حالات کو اپنی نظر سے دیکھتی ہیں بلکہ انکے حکمران جس طرف چاہتے ہیں، اُنہیں موڑ دیتے ہیں۔ ذہنی غلامی کی سب سے بڑی نحوست یہ ہوتی ہے کہ ذہنی طور پر غلام قومیں اچھے کو برا، برے کو اچھا، دوست کو دُشمن اور دشمن کو دوست سمجھتی ہیں اور اپنے دین و ایمان، افکار و تخیلات، تہذیب و شائستگی، اخلاق و آداب، سب کو حکمران کی سوچ کے معیار پر جانچنے لگتی ہیں۔

قوم آزاد اور بااختیار تب بنتی ہے۔ جب انفرادی طور پہ ہر فرد صحیح یا غلط کا فرق سمجھنے لگے۔ جب اسے یہ شعور نصیب ہو جائے کہ وہ طاقتور افراد کا وہ گروہ ہے جو اپنی قسمت خود بدل سکتا ہے جب وہ حکمرانوں کے غلط فیصلوں پہ مزاحمت کرنے کی ہمت کر سکے۔ تب وہ ذہنی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کی جرات کرتا ہے اور یہ جرات اسے تعلیم عطا کرتی ہے مگر المیہ یہ ہے کہ موجودہ وقت کا نصابِ تعلیم نوجوانوں میں جرات مندانہ قوتوں کو معدوم کر رہا ہے۔ روزگار کے نام پہ ذہنی غلامی کو فروغ دیا جا رہا ہے اس مشکل وقت میں ضرورت ہے تو استاد کے ایسے درس کی جو غلامی اور حقیقی آزادی کے فرق کو واضح کریں۔ استاد اس ہستی کا نام ہے جو اپنے علم سے قوم میں حکمران پیدا کرتا ہے۔ تعلیم اور بہترین استاد جب دونوں ملاپ کرتے ہیں تب طاقت جنم لیتی ہے وہ طاقت جو غلامی کے طوق کو قبول نہیں کرتی، وہ طاقت جو حق کے لیے آواز اٹھانا جانتی ہے، وہ طاقت جو باطل سے خوف نہیں کھاتی۔ ایسی طاقت، علم، تربیت، صحیح خطوط پہ کی گئی پرورش اور سب سے بڑھ کر استاد کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ذہنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم روایت شکن نہیں بلکہ باشعور بنیں۔ اُس شعور کی تلاش کریں جو فرق بتاتا ہے صحیح اور غلط کا، حق اور باطل کا اور یہ فرق ایک استاد سے بہتر کون سمجھا سکتا ہے؟ ذہنی غلامی کے اسیروں کے لیے اس وقت فقط بارش کے پہلے قطرے کی ضرورت ہے ابر پھر خود بخود برس کر جل تھل کر دے گا۔

☆☆☆☆

یوم دفاع

دانیال حسن چغتائی

یوم دفاع پاکستان وہ دن ہے، جب پوری قوم پاک فوج کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ہر لمحہ پاک فوج کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ اس دن کو منفرد انداز میں شہدا کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ شہدا اور ان کے لواحقین قوم کے ہیرو اور سرمایہ ہیں اور زندہ قومیں کبھی اپنے شہدا کو نہیں بھولتیں۔ 6 ستمبر 1965ء ہماری عسکری تاریخ کا انتہائی اہم ترین دن ہے۔ یہ دن ہمیں جنگ ستمبر کے اُن دنوں کی یاد دلاتا ہے جب پاکستان کی مسلح افواج اور پوری قوم نے بھارتی جارحیت کے خلاف اپنی آزادی اور قومی وقار کا دفاع کیا تھا۔ اس دن محب وطن پاکستانی شہریوں نے اپنی مسلح افواج کے ساتھ یکجہتی کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہ جنگ پاکستانی قوم اور مسلح افواج کی مشترکہ جدوجہد تھی جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام کرتی رہے گی۔ اس تاریخی دن کے ساتھ ایسی انمٹ یادیں اور نقوش وابستہ ہو چکے ہیں جنہیں زمانے کی گرد بھی نہ دھندلا سکے گی۔ یہ دن جہاں ہماری پاکستانی قوم کے لئے بڑی آزمائش کا دن تھا وہاں پر نڈر اور بہادر افواج کے لئے بھی انتہائی کڑا وقت تھا۔ اس دن پوری قوم اور مسلح افوج کے افسروں، جوانوں نے مل کر رفاقت کے سچے جذبے کے ساتھ بزدل، مکار وعیار دشمن کے ناپاک اور گھناؤنے عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا۔ ان فرزندانِ پاکستان کی بامثال اور لازوال قربانیوں کی بدولت آج ہمیں تاریخ میں ایک باوقار مقام حاصل ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوم کے جذبہ ایمان، کردار، ہمت اور خلوص کا امتحان جنگ سے ہوا کرتا ہے۔ 6 ستمبر 1965ء کی جنگ اس کی زندہ مثال ہے۔ جس میں پاکستانی قوم اور افواجِ پاکستان نے ثابت کر دیا کہ ان کا دل اللہ کی یاد سے لبریز، حبِ رسول سے مامور، دین کی محبت سے آباد اور وطن کی آزادی و حرمت پر مر مٹنے کے جذبے سے سرشار ہے۔ یہی وہ سرمایہ تھا جس کے بل بوتے پر اس نے اپنے سے تعداد اور اسلحہ میں کئی گنا بڑی طاقت کے سارے خواب بکھیر دیے اور سارے منصوبے اور غرور خاک میں ملا دیے۔ اس وطن کے ننھے منے بچوں، بڑے بوڑھوں اور خواتین نے وہ کام کر دکھایا جو ان کا نہیں تھا۔ ایسے مظاہرے چشم فلک نے کئی ایک محاذوں پر دیکھے ہوں گے۔ اس دور کے ایسے بہادر بچے جہاں بھی ہوں خراج

تحسین کے مستحق ہیں کہ جو مورچوں میں دشمن سے برسرپیکار محافظین وطن کو پانی کی بالٹیاں پہنچایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کی عمر بارہ دوسرے کی دس اور تیسرے کی ساڑھے آٹھ برس تھی۔ وہ تینوں سگے بھائی تھے والدین نے انہیں دعائیں دے کر یہ کام کرنے کو کہہ دیا تھا۔ سب سے چھوٹا محاذ جنگ سے قریباً آٹھ میل کے فاصلے پر واقع اپنے گاؤں میں اپنی ماں سے درمیانے سائز کی پانی سے بھری بالٹی یا گھڑا لیتا اسے اٹھا کر قریباً آدھا میل تک لے جاتا جہاں اس سے بڑا بھائی کھیتوں میں کوئی ڈیڑھ میل کا فیصلہ طے کر کے تیسرے سب سے بڑے بھائی تک پہنچتا اور پھر تیسرا بھائی اس پانی کو ایک خاص مقام تک پہنچایا کرتا جہاں سے اس کے وطن کے سپاہی آ کر خود لے جاتے تھے۔ یہ عمل ان بھائیوں نے جنگ کے خاتمے تک سترہ روز تک جاری رکھا۔

آفرین ہے اس بوڑھے رہڑہ بان پر جو محاذ کے نزدیک ترین ایک سرحدی گاؤں میں اکیلا صرف اس لیے رہتا تھا کہ وہاں سے پانی بھر کر اپنے فوجی جوانوں کی ضرورت پوری کرنے میں دن رات مگن رہتا۔ محاور تاً تو یہی کہا جائے گا کہ قوم پشت پر تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ 1965ء کی جنگ پاکستان کی قوم نے فوج کے شانہ بشانہ لڑی اور کامیابی حاصل کی۔ 6 ستمبر ان شہیدوں اور غازیوں کو سلامی پیش کرنے کا دن ہے جنہوں نے سیالکوٹ سیکٹر میں چونڈہ کے مقام پر بھارت کے آرمرڈ اور تین دوسرے ڈویژنوں جن میں پانچ سو ٹینک تھے کی یلغار کو اللہ کے فضل و کرم سے صرف ایک ڈویژن اور ایک آرمرڈ فارمیشن سے پسپا کر دیا تھا۔ اس جنگ میں پاکستان اور بھارت کا تناسب ہر لحاظ سے ایک اور سات کا تھا۔ 6 ستمبر کا دن میجر راجہ عزیز بھٹی اور میجر شفقت بلوچ کی کمان میں غازی نہر کے کنارے داد شجاعت دینے والے مجاہدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کا ہے جنہوں نے بھارتی فوج کے عزائم کو خاک میں ملا کر تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ 6 ستمبر کا دن بھارت کے علاقہ کھیم کرن تک اپنے نقوش پا چھوڑنے والے شہیدوں اور غازیوں کے آگے جبین نیاز خم کرنے کا ہے۔ 6 ستمبر کا دن فاضلہ کا سیکٹر کے سرفروشوں کو عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرنے کا ہے جن کے نعرہ تکبیر کی صدائوں سے بھارتیوں کے دل ڈوبتے رہے۔

6 ستمبر کا دن چھمب اور جوڑیاں کی پر پیچ وادیوں اور اونچی کھائیوں کے چپے چپے بہادری کی داستانیں رقم کرنے والوں کی یاد میں گردنیں خم کرنے کا ہے۔ پاکستان کی عسکری اور دفاعی تاریخ کے روشن باب سے ہر دور کے افراد

قوم کا آگاہ ہونا ضروری ہے کہ پاکستان کا ازلی دشمن بھارت کس طرح رات کی تاریکی میں پاکستان پر چڑھ دوڑا تھا جبکہ تاریخ نے ہر نازک موڑ پر پاکستان کے دوست نما دشمن امریکا کی طرف سے پاکستان کے اس وقت کے حکمرانوں کو بھی اس امر کی طفل تسلیاں دی گئیں تھیں کہ بھارت پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کی فوجی حکومت نے بھی عقل کے ناخن لینے کی بجائے امریکا جیسے ملک کی دوستی پر انحصار کرتے ہوئے تحفظ وطن کی خاطر ایسی دفاعی تیاریاں پر بھرپور توجہ نہ دی تھی جو اس دور کے حالات کا تقاضا تھا کیونکہ اس وقت بھی ایوب خان کو عقل کل سمجھ بیٹھے تھے۔ اس کا واضح ثبوت پاکستان کے انتہائی اہم جنگی سیکٹر لاہور میں پاکستانی فوج کی عدم موجودگی سے ملا۔

لاہور کے محاذ پر ارض وطن کے مایہ ناز فرزندوں میجر راجہ عزیز بھٹی (شہید نشان حیدر) اور میجر شفقت بلوچ (ستارہ جرأت جو بعد میں کرنل بنے) کی الگ الگ کمان میں صرف دو کمپنیاں تھیں۔ یہ کمپنیاں ایک ایک سو جانثاروں سے بھاری تھیں۔ بھارت نے اس سیکٹر پر توپ خانے کے ساتھ انفنٹری کی بھاری تعداد سے حملہ کیا تھا جبکہ پاکستان کی سرحدوں پر غیر متوقع حملے کو روکنے کیلئے کوئی تیاری نہیں تھی۔ لیکن ہمارے جوانوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلاشبہ 6 ستمبر 1965ء ایک ایسا دن تھا جس نے پاکستان کے ایک ایک فرد کو جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا۔ آج پاکستان کو اسی 1965ء والے جذبے کی اشد ضرورت ہے، آج بھی پاک فوج کو بطور قوم ہماری ضرورت ہے، قومی یکجہتی کی ضرورت ہے، ملک سے بیرونی عناصر کو نکالنے کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر ستمبر 1965ء والے قومی و اجتماعی جذبے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ دفاع وطن کے تقاضوں کو آج بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔

آیئے یوم دفاع پر ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ جب بھی پاکستان کو دفاع کی ضرورت پڑے گی تو پاکستان کا بچہ بچہ افواجِ پاکستان کے ساتھ مل کر وطن عزیز کا پورا دفاع کرے گا۔ کیوں کہ یہ تقاضے آج اس حوالے سے بھی اہمیت اختیار کر گئے ہیں کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں برسرپیکار ہے۔ پاکستان جو خود اپنی تاریخ کے ایک نازک ترین دور سے گزر رہا ہے کی افواج دفاع وطن کے لیے اندرونی اور بیرونی سرحدوں پر ڈٹی ہوئی ہیں۔ ایک محاذ پر اسے بھارت جیسے شاطر اور کم ظرف دشمن کا سامنا ہے تو دوسری جانب اسے بیرونی اور اندرونی خلفشار کا بھی

سامنا ہے۔ پاک فوج سرحدوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ اندرونی محاذ پر دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے جو خدانخواستہ اس پاک سرزمین کی سرحدوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔ اس یوم دفاع پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کی سلامتی رکھے اور پاک فوج میں یونہی وطن پر جانثار ہونے کا جذبہ قائم رکھے (آمین)

☆☆☆☆

ستمبر اور ستمگر دشمن!

محمد فیصل علی

ستمبر کا نام سامنے آتے ہی ہمارے ذہنوں میں ایک ستمگر دشمن کا غرور اور اس کی طرف سے کی گئی جارحیت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔جی ہاں وہ ستمگر اور مغرور دشمن بھارت ہے جس نے 6 ستمبر 1965 کو رات کی تاریکی میں اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا۔دشمن کا خیال تھا کہ وہ ایک دن کے اندر اندر لاہور پر قبضہ کر لے گا مگر وہ یہ بات بھول رہا تھا کہ وہ ایمان تقویٰ اور جہاد کے علم بردار سرفروشوں کو چھیڑ بیٹھا ہے۔چنانچہ دشمن نے سترہ روز تک اپنی ساری طاقت جھونک کر یہ کوشش کی کہ وہ ہمارے سر جھکا سکے لیکن بقول شاعر:

جن کو طوفان سے الجھنے کی عادت ہو محسن
ان کی کشتی کو سمندر بھی دعا دیتا ہے

اس شعر کا مصداق ہماری بہادر افواج نے ہر محاذ پر دشمن کے دانت کھٹے کیے۔چونڈہ سیالکوٹ کے مقام پر تین سو بھارتی ٹینکوں کا مقابلہ ایک سو تیس ٹینکوں نے کیا اور چونڈہ کو بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔اس جنگ میں دشمن کے ایک سو بیس ٹینک تباہ ہوئے۔یہ جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔

زمین کے علاوہ فضاؤں پہ ہمارے شاہینوں کا راج رہا۔دشمن کی فضائی طاقت ہم سے دس گنا زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے پر اسرار بندوں نے دشمن کے طیاروں کو دھول چٹا دی۔دشمن کے چھے سو طیارے ہمارے مقابل آئے اور ہمارے شاہینوں نے ستر سے زائد طیاروں کو زمین بوس کیا۔اسی طرح سمندری محاذ پر بھی ہماری نیوی نے دشمن کا دوارکا نام کا بحری اڈا تباہ کر کے اسے ہزیمت سے دوچار کیا۔

سترہ روزہ جنگ نے دشمن کا غرور خاک میں ملا دیا اور وہ ہر محاذ پر ناکام رہا۔مادی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ہاتھی اور چیونٹی کی لڑائی تھی۔مگر یہ مادی جنگ نہیں بلکہ یہ تو جذبوں کی جنگ تھی۔یہ ایمان و کفر کا معرکہ تھا جس میں روز ازل سے فتح اہل ایمان ہی کا مقدر بنتی ہے،لہذا اس جنگ میں بھی اہل ایمان سرخرو ٹھہرے جنھوں نے اس وطن عزیز کی حفاظت اپنے جسموں سے حصار بنا کر کی اور اس سوہنی دھرتی کی عزت و حرمت کا پاس رکھا۔ہم سب

پاکستانی یوم دفاع کو یوم تجدید عہد کے طور پر مناتے ہیں کہ اگر کبھی دشمن نے ہمارے ملک کو میلی آنکھ سے دیکھا تو ہم اس کی حفاظت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا
میرا ایک اک سپاہی ہے خیبر شکن
چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

☆☆☆☆

یوم دفاع کا مقصد اور اہمیت

از قلم: وقار احمد نوشہرہ

یوم دفاع 6 ستمبر 1965 کو ہندوستانی افواج نے ایک اسلامی ریاست پاکستان کی ناموس کو ٹھیس پہنچانے کے لیے پاکستانی افواج کو للکارا اور رات کے اندھیرے میں پاکستانی حدود میں شامل ہوئے انھوں نے یہی سوچ رکھا تھا کہ صبح ہوتے ہی ہم لاہور پر حملہ کر کے پاکستان کو شکست دیں گے اور صبح کا ناشتہ پاکستانی ہوٹلوں میں کریں گے لیکن ان کو کیا پتا کہ وہ ایک نوالہ بھی نہیں کھا سکیں گے اور ناکام لوٹ کر واپس جائیں گے، جیسے ہی ہندوستانی افواج نے حملہ کیا تو پاکستانی افواج کے بھرپور جوابی کاروائی پر نا صرف ہندوستانی افواج کے سپاہی مر گئے بلکہ وہ پیچھے موڑنے پر مجبور ہوئے۔ یوم دفاع کا مقصد ان فوجیوں کو یاد رکھنا ہے جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے ملک کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور پاکستانی ناموس کو داغ دار ہونے سے بچایا۔ اس دن کا مقصد پاکستانی افواج کے ان بہادر والدین کو یاد رکھنا ہے جنہوں نے 1965ء کی جنگ میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے ملک کے لاکھوں لوگوں کی خاطر قربان کر دیا۔ اس دن کا مقصد دنیا کے تمام غیر اسلامی ممالک کو باور کرانا کہ کبھی بھی پاکستان جیسی اسلامی ریاست کو نہ للکارنا اگر للکار بھی دو تو شکست ہی پاؤ گے اس کے علاوہ اس دن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس جنگ میں عوام نے اس جنگ میں پاکستانی افواج کا بھرپور ساتھ دیا اور دنیا کو بتا دیا کہ کسی ملک کے مشکل حالات میں

ہمیشہ عوام فوج کا ساتھ دیتی ہے۔عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستانی عوام پاکستانی فوج کا ساتھ نہیں دیتی لیکن جب بات ملک کے ناموس کی آتی ہے تو عوام بالکل یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ان کے ملک پر کوئی قبضہ کرے۔اس دن کا مقصد یہ بھی ہے کہ جن افواج کے دلوں میں قرآن اور جذبہ ایمانی ہو تو ان کو ہرانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی جنگیں لڑیں ان میں کامیابی پائی چونکہ یہ جذبہ ایمانی اور دلوں میں قرآن ہونے کی برکات تھیں۔اس دن کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس دن کو پاکستانی افواج کے پاس اسلحہ ناہونے کے برابر تھا لیکن پھر بھی پاکستانی افواج نے ہندوستانی افواج کا بہادری سے مقابلہ کیا اور ان کو ایک بڑی شکست سے دوچار کیا۔اس دن کا مقصد پاکستانی عوام اور پاکستانی افواج کی قربانیوں کو یاد رکھنا ہے جو انہوں نے پاکستان کے لیے دی جبکہ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کو ایک سبق ملا کہ پاکستانی افواج کو للکارنا شیر کے پنجرے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے ملک کو سلامت رکھیں اور کسی بھی نازک صورتحال سے لڑنے کی عوام اور پاکستانی فورسز کو توفیق دیں کہ وہ مل کر ڈٹ کر اس کا مقابلہ کریں۔آمین۔پاکستان زندہ باد!

☆☆☆☆

متحرک ادیبہ: حمیرا علیم

تحریر و ملاقات: فاکہہ قمر

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کا صدر مقام اور سب سے بڑا شہر ہے۔ کوئٹہ بلوچی لفظ "کوئتہ" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنٰی 'وادی' کے ہیں۔ کوئٹہ شہر اپنے پھلوں کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ یہ بنیادی طور پر خشک پہاڑوں میں گھرا ہوا شہر ہے جہاں سردیوں میں شدید سردی اور برف باری پڑتی ہے۔ اسی خوبصورت شہر سے تعلق رکھنے والی ایک ملنسار اور متحرک لکھاری سے آپ کو ملوانے جا رہے ہیں۔ جنہوں نے تھوڑے سے عرصے میں ادب کی ہر صنف میں لکھا اور باکمال لکھا اور اپنی پہچان بنالی ہے۔2020ء میں قلم کو تھامنے والی باہمت اور بلند حوصلہ حمیرا علیم نے اپنے مشاہدے اور مطالعے کی بناء پر ادبی میدان میں چھا گئی ہیں۔ ہر معیاری اخبار، رسائل اور ڈائجسٹ میں ان کی تحاریر تسلسل سے شائع ہو رہی ہیں۔

ان سے ہوئی ملاقات کا احوال ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

کیسی ہیں آپ؟

اللہ کا شکر ہے میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت مطلوب چاہتی ہوں۔

حمیرا مجھے یہ بتائیں کہ:

سوال: آپ کا تعلق کس شہر سے ہے؟ آپ کا بچپن کہاں اور کیسا گزرا ہے؟

جواب: پیدائش تو علی پور گوجرانوالہ کی ہے۔ بچپن گوجرانوالہ میں گزرا اور تعلق راولپنڈی سے ہے۔ بچپن بے حد مزیدار اور شاندار گزرا کیونکہ ہمارے دور میں موبائل، ٹیب اور انٹرنیٹ نہیں تھا تو ہر گیم اور ہر لمحے کو انجوائے کیا۔

سوال: مطالعہ کا شوق کب اور کیسے پروان چڑھا؟

جواب: مجھے یاد نہیں مگر جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر میں تقریباہر طرح کی کتاب اور بچوں، خواتین اور بڑوں کے تمام رسائل آتے تھے تو پڑھتے پڑھتے ایسی عادت ہوئی کہ اب تو پڑھے بغیر کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے میں جب جماعت پنجم یا ششم کی طالبہ تھی تو میں راتوں کو رسائل یا کتب پڑھتی تھی تو والدہ ڈانٹتی تھیں کہ ابھی تمہاری عمر نہیں یہ سب پڑھنے کی مگر والد نے کبھی منع نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی مطالعے کے شوقین اور بہترین پینٹر اور تخلیقی کام کے ماہر تھے۔ والد میرے کمرے کا دروازہ بند کر دیا کرتے تھے کہ والدہ کو پتہ نہ چلے تو شاید یہ شوق وراثت میں ملا ہے۔

سوال: آپ کی تعلیم کتنی ہے؟

جواب: ایم اے انگلش، بی ایڈ۔ اس کے علاوہ الھدی انٹرنیشنل اسلام آباد سے تعلیم القرآن کا کورس کیا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً قرآن حدیث کے کورسز کرتی رہتی ہوں۔

سوال: سب سے زیادہ کس صنف کا مطالعہ کیا ہے؟

جواب: مطالعہ تو تقریباہر صنف کا کیا مگر مجھے سسپنس، تھرلر اور تاریخی کتب زیادہ پسند ہیں۔

سوال: پہلی بار لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

جواب: یہ بے حد دلچسپ واقعہ ہے۔ میں اپنے کچھ پیپرز ڈھونڈ رہی تھی تو اپنے مرحوم والد کے چالیس سال پہلے لکھے ہوئے دو ناولز ملے۔ جن میں سے ایک کا آغاز اور دوسرے کا اختتام مسنگ تھا۔ میں نے سوچا انہیں کہیں پبلش کروانا چاہیے۔ انہی دنوں فیس بک پہ ایک ویب سائٹ کا ایڈ دیکھ کر سائٹ کھولی تو لاکھوں کتب ملی اور نئے لکھاریوں کو لکھنے کے لیے ترغیب دی گئی تھی۔ میں نے سائٹ ایڈمن کو میسج بھیجا کہ یہ میرے والد کے ناولز ہیں۔ کیا آپ انہیں پبلش کر دیں گے۔ انہوں نے مثبت جواب دیا اور کہا کہ آپ سائٹ پہ پروفائل بنالیں۔ ہم ناولز ایڈیٹ کر کے پوسٹ کر دیں گے۔ تین چار ماہ گزر گئے مگر ناولز پوسٹ نہیں ہوئے۔ دوبارہ استفسار پر ایڈمن نے ناول پوسٹ کیا تو پہلی قسط کے طور پہ سیکنڈ لاسٹ پیج پوسٹ کر دیا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ خود ہی ٹائپ کر کے ناول پوسٹ کر دوں۔ چنانچہ پہلے دونوں کو آغاز اور اختتام لکھ کر مکمل کیا۔ پھر روزانہ ایک صفحہ لکھ کر پوسٹ کرنا شروع کیا۔ جب

ناولز مکمل پوسٹ کر دیئے تو سائٹ پہ غور کرنے کا موقعہ ملا۔سائٹ روزانہ ایک موضوع دیتی ہے جس پہ تمام لکھاری کوئی کہانی، ناول یا شاعری وغیرہ لکھ سکتے ہیں۔میں نے بھی ایک موضوع پہ مضمون لکھ دیا۔قارئین نے پڑھا اور پسند کیا تو اس کو دوستوں کے ساتھ شئیر کر دیا۔میری بہت اچھی اور پیاری دوست ہے نائلہ، انہوں نے اس تحریر کو بہت سراہا اور مجھے انکریج کیا کہ تم میں پوٹینشل ہے تم لکھو۔یوں لکھنے کا آغاز ہو گیا۔پھر اسی سائٹ پہ ہی میری کچھ تحاریر ذوالفقار علی بخاری صاحب کی نظر سے گزریں تو انہوں نے مشورہ دیا کہ رسائل، ڈائجسٹس اور اخبارات میں بھی ان تحاریر کو بھیجوں۔انہوں نے نہ صرف مشورہ دیا بلکہ کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سب کے ای میل آئی ڈیز بھی دیے۔سچ تو یہ ہے کہ مجھے امید نہیں تھی کہ میری تحاریر اس قابل ہیں کہ وہ کہیں بھی شائع ہوں۔مگر الحمدللہ بہت سے قومی اور بین الاقوامی رسائل، اخبارات، ویب سائٹس اور میگزینز میں روزانہ کی بنیاد پر تحاریر شائع ہو رہی ہیں۔یہ سہرا میری دوست نائلہ اور ذوالفقار علی بخاری صاحب کے سر ہے کہ میں آج ایک لکھاری ہوں۔

سوال: قلم کو کب تھاما؟اس کے پیش نظر کیا محرک تھا؟

جواب: کچھ سال پہلے جاب کے لیے ایک ٹی وی چینل کے بیورو چیف کو انٹرویو دیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اخبارات میں کالمز لکھیں تو چند سماجی مسائل پہ کچھ کالمز لکھے پھر چھوڑ دیا۔باقاعدہ لکھنے کا آغاز نومبر 2020 میں سائٹ پہ لکھنے سے کیا تھا۔

سوال: آپ کی پہلی تحریر کب اور کہاں پر شائع ہوئی ہے؟

جواب: ایکسپریس اخبار میں شائع ہوئی تھی۔

سوال لکھنے کے لیے انسپریشن کہاں سے ملتی ہے؟

جواب: اپنے ارد گرد کے ماحول سے۔میری نوے فیصد تحاریر سچے واقعات پہ مبنی ہوتی ہیں۔زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے تو بس جو کچھ دیکھتی ہوں وہی الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہوں۔

سوال: کیا آپ نے باقاعدہ کسی کورس یا ڈگری کے ذریعے لکھنا سیکھا ہے یا کسی استاد کی رہنمائی حاصل ہوئی ہے؟

جواب: ارے نہیں بھئی۔ کہاں کا کورس اور کیسی ڈگری۔ میں سمجھتی ہوں میں حادثاتی یا اتفاقیہ لکھاری ہوں۔ قارئین کی ذرہ نوازی ہے مگر میں آج بھی اپنے آپ کو ایک مصنف نہیں سمجھتی ہوں۔ اپنے مشاہدات اور افکار کو الفاظ کی شکل دینے کی بس کوشش کرتی ہوں اور بہت سارے ایڈیٹرز کی ممنون ہوں کہ وہ اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں۔ اگر سب کے نام لکھوں تو فہرست بہت طویل ہو جائے گی مگر اپنے کچھ محسنوں کے نام ضرور لینا چاہوں گی۔ ذوالفقار علی بخاری صاحب، جعفر خونپوریہ صاحب، پرویز بلگرامی صاحب، فہیم آفریدی صاحب، شہزاد صاحب، انڈیا سے ابو بکر صاحب، احمد صاحب، کشمیر سے انصاری صاحب, اعجاز میر صاحب، نیدرلینڈز سے عظیمی صاحب، احمد نعمان صاحب، عابدہ صاحبہ، عبید اللہ صاحب، ناصر مغل صاحب، توقیر کھرل صاحب اور دیگر شامل ہیں۔

سوال: آپ کے ادبی سفر میں آپ کے گھر والوں کا رد عمل کیسا تھا؟

جواب: عمر کے اس دور میں جب کہ میں خود ٹین ایج بچوں کی ماں ہوں۔ مجھے گھر والوں کی اسپورٹ نہ ملنے کا امکان تو کم ہی تھا۔ بچے اور والدہ خوش ہوتے ہیں۔ جب کہ میاں صاحب کو پڑھنے سے کوئی شغف نہیں کیونکہ ان کی فیلڈ اکاؤنٹس سے متعلقہ ہے۔ مگر کبھی کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔ سسرال میں بھی سب میری تحاریر پڑھ کے خوش ہوتے ہیں اس لیے سب کا رد عمل اچھا ہی ہے۔

سوال: ازدواجی زندگی اور بچوں کے ساتھ ادبی کیریئر کو کیسے سنبھال لیتی ہیں؟

جواب: الحمدللہ! میں اپنے زمانہ طالبعلمی سے ہی ملٹی ٹاسکنگ کرتی رہی ہوں۔ پڑھائی کے ساتھ کچھ پینٹنگ وغیرہ کے کورسز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ٹیوٹرشپ، دینی کورسز اور جاب سب ایک ہی وقت میں کرتی رہی ہوں تو مینیج کرنے کے لیے کچھ خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی ہے۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ میں پچھلے دس سال سے انسومینیک (بے خوابی کا شکار) ہوں تو رات گزارنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ کچھ لکھا جائے۔ اس لیے وقت میرے لیے مسئلہ نہیں ہے۔ بچوں کو پڑھانا گھر کے کام دن میں اور رات کو لکھنا۔

سوال: آپ کی پسندیدہ صنف کونسی ہے۔ کن موضوعات پر لکھنا پسند کرتی ہیں؟

جواب: مجھے سسپنس، تھرل اور تاریخ پسند ہے۔ مگر سماجی، معاشرتی اور خصوصا دینی موضوعات پہ لکھنا پسند ہے۔

سوال: اب تک کیا کچھ لکھ چکی ہیں؟

جواب: میرے خیال میں سب ہی اصناف پہ لکھنے کی کوشش کر چکی ہوں۔ ناولز، کہانیاں، افسانے، طنز و مزاح، کالم، بلاگز، شاعری۔

سوال: آپ کے شہر میں ادبی خواندگی کس قدر ہے؟

جواب: میرے آبائی شہر راولپنڈی میں تو سب جانتے ہیں ادبی کام نہایت اچھے طریقے سے جاری ہے۔ اسلام آباد میں اکادمی ادبیات ہونے کی وجہ سے راولپنڈی والے بھی ایکٹیو ہیں مگر میری رہائش اس وقت کوئٹہ میں ہے تو اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھیں۔ یہاں تو خواندگی کی شرح ہی بہت کم ہے ادبی خواندگی کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

سوال: مصنف کے صاحب کتاب ہونے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اگر کوئی مصنف اپنی کتاب چھپواتا ہے تو قابل قدر بات ہے۔ مگر آج کے دور میں کتاب شائع کروانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور اسے بیچنا تو سمجھیں پہاڑ سے دودھ کی نہر نکالنا ہے کیونکہ لوگ اب انٹرنیٹ پہ ہی کتب پڑھ لیتے ہیں خریدنے کی زحمت نہیں کرتے یا شاید کتاب کی قیمت اتنی بڑھ چکی ہے کہ خریدنے کے قابل نہیں ہیں۔

سوال: کیا یہ ضروری ہے کہ ایک بہترین ادیب عملی زندگی میں بھی ایک کامیاب انسان ہو؟

جواب: دیکھیے ہر شخص ہر فیلڈ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اچھا بزنس مین ایک اچھا رائٹر نہ ہو مگر ایک اچھا پینٹر ہو۔ ایسے ہی یہ ضروری نہیں کہ عام زندگی میں کامیاب شخص ایک اچھا رائٹر ہو۔ شاید اس کی کوئی ناکامی ہی اس کے لکھنے کا محرک بنی ہو۔ اس کی بہترین مثال مشہور شاعر ساحر لدھیانوی ہیں۔

سوال: کیا ایک ادیب اپنے لفظوں سے معاشرے میں بہتری پیدا کرنے کا موجب ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب: جی بالکل۔ اگر ایک ادیب اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے معاشرے میں سدھار پیدا کرنے کے لیے لکھے تو کوئی شک نہیں کہ معاشرہ بہتر ہو سکتا ہے۔ اچھا ادب انسان کو باادب بناتا ہے۔

سوال: کیا خواتین کے لیے ادب کا شعبہ موضوع ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: جی بالکل بہت موزوں شعبہ ہے۔ میرا تجربہ تو اس شعبے میں بہت اچھا رہا ہے۔ میرا واسطہ تو ہمیشہ اچھے لوگوں سے ہی رہا ہے۔ جنہوں نے حوصلہ افزائی کی، تصحیح کی اور رہنمائی کی اور عزت دی۔

سوال: ادبی سفر کیسا چل رہا ہے۔ کیا کبھی کوئی مشکل پیش آئی؟

جواب: الحمدللہ! بہت اچھا چل رہا ہے۔ جی ہاں ایک بار ایک بڑے اخبار کی خاتون ایڈیٹر کو کچھ تحاریر بھیجیں تو بجائے آرام سے بتانے کے کہ تحاریر ان کے خیال میں قابل اشاعت نہیں، انہوں نے بہت برے الفاظ استعمال کیے۔ جس پہ دکھ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ اتنے بڑے اخبار کی ایڈیٹر اور ادب سے وابستہ خاتون ہیں مگر بات کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتیں۔ اس کے علاوہ کبھی کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوا۔

سوال: کیا موجودہ دور کے ادیب قلم کی حرمت اور پاسداری سے واقف ہیں؟

جواب: تمام ادیبوں کے بارے میں تو کوئی رائے نہیں دے سکتی مگر جن کو پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، ماشاءاللہ سب اپنے فرائض بخوبی سرانجام دے رہے ہیں اور قلم کی حرمت سے واقف ہیں۔

سوال: کیا آج کا ادیب معاشرے کی ضرورت اور ادب کے تقاضے کو پورا کرنے میں کامیاب ہے؟

جواب: سچ کہوں تو جن ادیبوں کو میں نے پڑھا ہے چاہے وہ پرانے ہوں یا نئے اس قدر بہترین مصنف ہیں کہ رشک آتا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ان کی تصانیف شاہکار ہیں۔

سوال: رائٹر زبلاگ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ بالکل قدرتی عمل ہے۔ کبھی کبھار کسی وجہ کے بغیر لکھنے کو دل نہیں چاہتا یا کوئی موزوں خیال نہیں سوجھتا لیکن اچھی بات یہ ہے کہ یہ عمل زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔

سوال: ادبی مصروفیات کے علاوہ دیگر کیا مشاغل ہیں؟

جواب: گھر کے کام، بچوں کو پڑھانا، مطالعہ، بیکنگ، دعوت دین، دینی اور دعوی سے متعلقہ کورسز کرنا۔

سوال: قارئین کے نام کیا پیغام دینا چاہیں گی؟

جواب: میرا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ آج دنیا بھر میں اگر ہم مسلمان ذلیل و خوار ہیں تو صرف اور صرف دین اسلام سے دوری کی وجہ سے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ قرآن و حدیث کو ترجمے اور تفسیر کے ساتھ جید علما سے پڑھیے۔ فقہ کو سمجھیں اور اس پہ عمل کے ساتھ ساتھ دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ صرف یہی ایک راستہ ہے جو ہمیں ہمارا کھویا ہوا عزت و وقار اور سکون لوٹا سکتا ہے اور معاشرے کو سدھار سکتا ہے۔

☆☆☆☆

لکھاری بننے کا مقصد

از قلم این اے صدیقی۔ کراچی

"انیلہ! آج دس ستمبر ہے۔ ابھی تک دفاع نمبر نہیں آیا۔" عمیرہ نے موبائل چلاتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

"شائع ہو گا تو اس کی فہرست آپی فاکہہ قمر سرائے اردو فیس بک گروپ میں پوسٹ کر دیں گی۔" انیلہ نے بے توجہی سے جواب دیا۔ "ویسے تمہیں دفاع نمبر کا اتنا شدت سے انتظار کیوں ہے؟" انیلہ نے عمیرہ کو تعجب خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس ماہ میری زندگی میں سب سے پہلی لکھی کہانی دفاع نمبر میں شائع ہو گی۔" عمیرہ نے مسکراتے ہوئے جوش سے جواب دیا۔

"واہ کیا کہنے۔۔۔! تم بھی لکھاری بننا چاہتی ہو؟" انیلہ نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے لہجے میں استفسار کیا۔

"بس اپنی جیسی کئی لڑکیوں کی اتنی اچھی تحاریر اور بہترین کہانیاں رسائل میں پڑھیں تو مجھ میں بھی لکھاری بننے کا شوق پیدا ہوا۔" عمیرہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے اپنی ازلی خواہش کا اظہار کر ڈالا۔

"تمہارا لکھاری بننے کا مقصد کیا ہے؟" انیلہ نے عمیرہ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا مقصد ہے کہ میں اپنی تحاریر کے ذریعے بچوں اور بڑوں کی اصلاحی تربیت کروں اور قلم کے ذریعے اپنے معاشرے کو سہی نہج پر لانے کی کوشش کروں۔" عمیرہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ بہت خوب، اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت دے۔" انیلہ نے داد دیتے ہوئے کہا۔

"آج کل اکثر لکھاریوں کا مقصد صرف شہرت اور پیسہ بن گیا ہے۔ وہ اپنے قلم کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کرنے کی بجائے معاشرے کی بگاڑ کا سبب بھی بن رہے ہیں۔ ان لکھاریوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے جن کے اندر معاشرے کے سدھار اور بچوں کی تربیت کا جذبہ ہے حالانکہ قلم کے ذریعے ہم معاشرے کی بہتر سے بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔ میرا لکھاری بننے کا سب سے اہم مقصد اصلاح معاشرہ اور بچوں کی تربیت ہے۔" عمیرہ نے حقیقت واضح کرتے ہوئے اپنے مقصد کی وضاحت کی۔

"بہت ہی عمدہ، اللہ تعالیٰ آپ کے نیک ارادوں کی تکمیل فرمائیں اور تمام قلم کاروں کو معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔" انیلہ نے خوش دلی سے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆

پرواز جنون

حمیرا علیم

لیث کا ایک ہی خواب تھا ائیر فورس کا فائٹر پائلٹ بننا۔ بچپن ہی سے اسے جہاز جمع کرنے کا جنون تھا۔ ہر 7 ستمبر کو وہ پاپا سے ضد کر کے پی-اے-ایف کی نمائش میں جاتا۔ اور مختلف جہاز دیکھ کر جیسے سحر زدہ ہو جاتا۔ ایف-ایس-سی میں 890 مارکس لیکر اس نے ائیر فورس کے جی-ڈی-پی کے امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ پیپرز کا رزلٹ آیا تو لیث کا سلیکشن ہو چکا تھا۔ جب وہ رسالپور اکیڈمی پہنچا تو اس کیلئے اس سے زیادہ خوشی کا دن کوئی نہیں تھا۔ ہر لیکچر کو غور سے سننا اس کے نوٹس لینا، ہر ایکسر سائز میں بہترین کارکردگی دکھانا اور ہر امتحان میں فرسٹ آنا اور اپنے آپ کو جلد از جلد جہاز اڑانے کے قابل بنانا بس یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

جلد ہی وہ دن بھی آ گیا جب اس کو پہلی بار جہاز اڑانا تھا۔ انسٹرکٹر نے انہیں لیکچر دیا کہ کل کیا کچھ ہو گا اور انہیں آرام کرنے کا کہا تا کہ وہ بالکل فریش ہوں اور پوری توجہ سے فلائی کر سکیں۔ سب سو گئے مگر لیث کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ صبح اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی اور اس کیلئے یہ چند گھنٹے گزارنا محال تھا۔ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھلی۔ نماز ادا کرنے کے بعد سب

میس گئے ناشتہ کیا اور کلاس میں چلے گئے۔ فلائنگ انسٹرکٹر نے انہیں ضروری ہدایات دیں اور اپنے اپنے انسٹرکٹر کیساتھ جہازوں میں بیٹھنے کا کہا۔ سب لوگ فلائنگ سوٹس پہن کر کاک پٹ میں بیٹھ گئے تو انسٹرکٹرز نے انہیں فلائنگ کا اشارہ کیا۔ جوں جوں جہاز فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ لیث کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔ کھلا نیلا آسماں اس میں اڑتے پرندے، زمین پر موجود عمارات جو کہ بلندی سے بہت چھوٹی چھوٹی سی نظر آ رہی تھیں سب کسی خواب کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔ جب جہاز زمین پر اتارے گئے تو سب ہی پہلی فلائٹ لیکر خوش تھے مگر لیث کی خوشی دیدنی تھی۔ جلد ہی سب کیڈٹس خود سے فلائٹ لینے لگے۔ ان کی ٹریننگ تقریباً ختم ہونے والی تھی اور ان کی گریجویشن پریڈ کی تقریب منعقد ہونے والی تھی جس کے بعد وہ آفیشل جی-ڈی پائلٹس بن جاتے۔ ٹریننگ کے تین سالوں میں لیث نے ہر چیز میں بہترین کارکردگی دکھائی تھی۔ تمام اسٹاف کا چہیتا اسٹوڈنٹ وہی تھا۔ امید کی جا رہی تھی کہ unit Fighter conversion اور operation conversion unit سے ٹریننگ کے بعد لیث اعزاز کیساتھ ایئر فورس جوائن کرے گا۔ لیث بھی اپنی منزل پانے کیلئے پر جوش تھا۔

جب بھی وہ فلائنگ کیلئے جاتا اسے ایک نیا ہی تجربہ ہوتا۔ ایک دن وہ روٹین کی فلائٹ پر تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ جہاز کیساتھ گڑبڑ ہے. چیک کرنے پر پتہ لگا کی اس کے جہاز کے انجن میں آگ لگ گئی تھی۔۔ اس نے کنٹرول ٹاور میں بتایا تو اسے ہدایت دی گئی کہ جہاز کو آبادی سے دور لے جا کر اس سے eject کر جائے اور اپنی جان بچائے۔ لیث نے ایسا ہی کیا مگر ابھی وہ آبادی والے علاقے پر سے گزر ہی رہا تھا کہ جہاز نے آگ پکڑ لی۔ لیث کیلئے یہ ایک مشکل وقت تھا وہ چاہتا تو آبادی کی پرواہ کیے بغیر eject کر کے اپنی جان بچا سکتا تھا مگر اس نے اپنی جان بچانے پر لوگوں کی جانوں کو ترجیح دی اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جہاز کو آبادی سے دور لے جانے میں کامیاب ہو گیا مگر میدانی علاقے میں پہنچتے ہی جہاز دھماکے سے تباہ ہو گیا۔ لیث نے آخری بار آسمان کو دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ جنت کے باغوں میں ہی آنکھ کھولے گا۔

☆☆☆☆

6 ستمبر 1965، وقار اور لازوال استقلال کا استعارہ

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

سلامتی ہی سلامتی کی دعائیں خلقِ خدا کی خاطر
ہماری مٹی پہ حرف آیا، تو عہدِ فتح میں لکھیں گے
خلیلِ آتش نشیں کی میراث کا تسلسل نگاہ میں ہے
سو امتحاں سے گزرنے والوں پہ حرفِ صد آفریں لکھیں گے

6 ستمبر 1965 پاکستان کی تاریخ کا اہم ترین دن ہے کہ جب ازلی دشمن بھارت نے اپنی بزدلی اور مکاری کا سہارا لیتے ہوئے رات کے اندھیرے میں وطن عزیز پاکستان پر غیر اعلانیہ جنگ مسلط کر دی تھی۔ یہ ایسا مشکل وقت تھا کہ جب پاکستان کے پاس اسلحہ بارود کی بھی شدید کمی تھی اور باقی جنگی اسباب بھی بالکل مختصر تعداد میں تھے۔ جبکہ پاکستان کے مقابلے میں دشمن دس گنا زیادہ تیاری کے ساتھ آیا۔ اس وقت افواج پاکستان اور عوام نے ایسی مثالی رفاقت داری قائم کی کہ آج تک دنیا میں نہ کوئی مثال ملی ہے اور نہ ہی کہیں کوئی مثال ملے گی۔

دشمن نے رات کے اندھیرے میں تقریباً 4 بج کر 5 منٹ پر اپنے ناپاک عزائم کے ساتھ پاکستان پر اچانک حملہ کیا تھا لیکن اسے یہ قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ سرحدوں کے محافظ، پاکستان کے شیر جوان جنہوں نے اس وطن کی حفاظت کی قسم کھائی ہے، جاگ بھی رہے ہیں اور ان پر کڑی نظر بھی رکھے ہوئے ہیں۔

دشمن اپنا خواب لے کر آیا تھا کہ ناشتہ لاہور کے جم خانہ میں جا کر کریں گے شام کو فتح کا جشن مال روڈ پر منائیں گے لیکن لا الہ الا اللہ کا وِرد کرنے والے جوان جو ہمہ وقت تیار اور کامران رہتے ہیں انہوں نے دشمن کے خواب چکنا چور کر دیے۔ جو لاہور کو ترنوالہ سمجھ رہے تھے وہ لیفٹیننٹ کرنل تجمل ملک کی 114 بلوچ رجمنٹ کا نوالہ بن گئے تھے اور پھر ہر طرف تباہ حال گاڑیاں اور درجنوں لاشیں پڑی ہوئی دشمن کے خواب غفلت کی گھناؤنی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ 6 ستمبر 1965 کو دشمن بھارت نے پاکستان پر ایک ساتھ لاہور، امرتسر، کھرلا، گجرات، فیروز پور گنڈا سنگھ اور سلیمانکی جیسے متعدد مقامات سے حملہ کیا تھا۔ دشمن کا خیال تھا اتنے سارے مقامات پر پاکستان کیلئے دفاع کرنا

ناممکن ہو جائے گا لیکن اسلام کے نام پر بننے والی اس ریاست میں اس کے ساتھ جو ہونے والا تھا وہ اس کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔ لاہور سے بلوچ رجمنٹ نے فوری عمل اس طرح سے کیا کہ گھاس کی لری ہوئی بیل گاڑی کو خالی کر کے اس پر ریکوائل لیس رائفل لگا کر دشمن کے بڑھتے ہوئے قدم وہیں پر روک دیے۔ ادھر سمندری حدود میں جب دشمن نے قدم بڑھانے کی کوشش کی تو پاکستان کی اکلوتی آبدوز نے بمبئی کی بندر گاہ پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی کہ 23 ستمبر تک جاری رہنے والی اس جنگ میں پھر دشمن نے پانی کے راستے کوئی ہل چل نہیں کی تھی کیونکہ ایک ہی حملہ میں دشمن کا سارا مواصلاتی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔

دوسری طرف پلک جھپکتے ہی پاک فضائیہ نے دشمن کے پانچ جہاز زمین بوس کر دیئے تھے جس کے نتیجے میں دشمن کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے تھے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں پاکستانی قوم نے ہر لمحہ اپنی افواج کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر انکی حوصلہ افزائی کی تھی۔

لاہور شہر میں توپ کے دھماکوں کی آوازیں گونج رہی تھیں لیکن ہر شخص اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اگلے محاذ پر اپنی فوج کی ہمت بندھانے کیلئے نکل پڑا تھا۔ لوگ اس وقت اپنے ساتھ کھانا اور ہار لے کر جاتے تھے اور جا کر کھانا فوج کو کھلاتے جبکہ ہار توپوں کو پہنا دیتے تھے۔ دشمن کے ٹینکوں کے سامنے اپنے پیٹ پر بارود باندھ لیٹ جاتے اور دشمن کے ٹینک اللہ اکبر کی صدا سے اڑا دیتے تھے۔ اس جنگ کے وقت جرائم کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔

ہر شخص اپنے ملک و قوم کے وقار کی خاطر لڑ رہا تھا۔ زخمیوں کو اسپتال میں خون کا عطیہ دینے کیلئے لوگ گھنٹوں لائن میں کھڑے رہتے تھے لیکن وہ اپنے فوجی جوانوں کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک دینے کیلئے تیار تھے۔

1965 کی جنگ میں وطن کے ننھے منے بچوں، بڑے بوڑھوں اور خواتین نے وہ کام کر دکھایا جو ان کا نہیں تھا ایسے مظاہرہ چشم فلک نے کئی ایک محاذوں پر دیکھے ہوں گے اس دور کے ایسے تین بچے جہاں بھی ہوں خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ جو مورچوں میں دشمن سے برسرپیکار محافظین وطن کو پانی کی بالٹیاں پہنچایا کرتے تھے ان میں سے ایک کی عمر بارہ دوسرے کی دس اور تیسرے کی ساڑھے آٹھ برس تھی۔ وہ تینوں سگے بھائی تھے والدین نے انہیں دعائیں دے کر یہ کام کرنے کو کہہ دیا تھا۔ سب سے چھوٹا محاذ جنگ سے قریبا آٹھ میل کے فاصلے پر واقع اپنے گاؤں میں

اپنی ماں سے درمیانہ سائز کی پانی سے بھری بالٹی یا گھڑا لیتا اسے اٹھا کر قریبا آدھا میل تک لے جاتا جہاں اس سے بڑا بھائی کھیتوں میں کوئی ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کر کے تیسرے سب سے بڑے بھائی تک پہنچاتا اور پھر تیسرا بھائی اس پانی کو ایک خاص مقام تک پہنچایا کرتا جہاں سے اس کے وطن کے سپاہی آکر خود لیجاتے تھے۔ یہ عمل ان بھائیوں نے جنگ کے خاتمے تک سترہ روز تک جاری رکھا۔

آفرین ہے اس بوڑھے رہڑی بان پر جو محاذ کے نزدیک ترین ایک سرحدی گاؤں میں اکیلا صرف اس لیے رہتا تھا کہ وہاں سے پانی بھر کر اپنے فوجی جوانوں کی ضرورت پوری کرنے میں دن رات مگن رہتا محاور تاً تو یہی کہا جائے گا کہ قوم پشت پر تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ 1965 کی جنگ پاکستان کی قوم نے فوج کے شانہ بشانہ لڑی اور کامیابی حاصل کی۔

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کر کے

6 ستمبر کا دن میجر راجہ عزیز بھٹی اور میجر شفقت بلوچ کی کمان میں غازی نہر کے کنارے داد شجاعت دینے والے مجاہدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کا ہے جنہوں نے بھارتی فوج کے عزائم کو خاک میں ملا کر تاریخی کارنامہ سر انجام دیا۔ 6 ستمبر کا دن بھارت کے علاقہ کھیم کرن تک اپنے نقوش پا چھوڑنے والے شہیدوں اور غازیوں کے آگے جبین نیاز خم کرنے کا ہے۔ 6 ستمبر کا دن فاضلہ کا سیکٹر کے سر فروشوں کو عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرنے کا ہے جن کے نعرہ تکبیر کی صداؤں سے بھارتیوں کے دل ڈوبتے رہے۔ ستمبر کا دن چھمب اور جوڑیاں کی پر پیچ وادیوں اور اونچی کھائیوں کے چپے چپے بہادری کی داستانیں رقم کرنے والوں کی یاد میں گردنیں خم کرنے کا ہے۔ پاکستان کی عسکری اور دفاعی تاریخ کے روشن باب سے ہر دور کے افراد قوم کا آگاہ ہونا ضروری ہے کہ پاکستان کا ازلی دشمن بھارت کس طرح رات کی تاریکی میں پاکستان پر چڑھ دوڑا تھا اور افواجِ پاکستان نے وطن عزیز کا دفاع کس جوان مردی کے ساتھ کیا تھا۔ لاہور کے محاذ پر ارض وطن کے مایہ ناز فرزندوں میجر راجہ عزیز بھٹی (نشان حیدر) اور میجر شفقت بلوچ (ستارہ جرات جو بعد میں کرنل بنے) کی الگ الگ کمان میں صرف دو کمپنیاں تھیں یہ کمپنیاں ایک ایک سو

جانثاروں سے بھاری تھیں۔ بھارت نے اس سیکٹر پر توپ خانے کے ساتھ انفنٹری کی بھاری تعداد سے حملہ کیا تھا جبکہ پاکستان کی سرحدوں پر غیر متوقع حملے کو روکنے کیلئے کوئی تیاری نہیں تھی۔ لیکن ہمارے جوانوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلاشبہ 6 ستمبر 1965 ایک ایسا دن تھا جس نے پاکستان کے ایک ایک فرد کو جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا۔ آج پاکستان کو اسی 1965 والے جذبے کی اشد ضرورت ہے، آج بھی پاک فوج کو بطور قوم ہماری ضرورت ہے، قومی یکجہتی کی ضرورت ہے، ملک سے بیرونی عناصر کو نکالنے کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر ستمبر 1965 والے قومی واجتماعی جذبے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ دفاع وطن کے تقاضوں کو آج بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔

6 ستمبر کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم اپنے شہداء اور غازیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یاد رکھیں کہ آزادی کی حفاظت اللہ پر بھروسہ اپنے وطن عزیز سے بے پناہ محبت اور دفاع وطن کی قربانیوں کے جذبے سے ہوتی ہے ،پاک بھارت کی اس جنگ نے ثابت کیا کہ ہمیشہ ریاستی عوام اور فوج متحد ہو کر ہی جنگیں لڑتی ہیں اور جیت جاتی ہیں پاکستان پر خدا کی رحمت باد نسیم کی طرح سایہ فگن ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ آیئے یوم دفاع پر ہم سب مِل کر یہ عہد کریں کہ جب بھی پاکستان کو دفاع کی ضرورت پڑے گی تو پاکستان کا بچہ بچہ افواجِ پاکستان کے ساتھ مل کر وطن عزیز کا پورا دفاع کرے گا۔ کیوں کہ یہ تقاضے آج اس حوالے سے بھی اہمیت اختیار کر گئے ہیں کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بر سر پیکار ہے۔ پاکستان جو خود اپنی تاریخ کے ایک نازک ترین دور سے گزر رہا ہے کی افواج دفاع وطن کے لیے اندرونی اور بیرونی سرحدوں پر ڈٹی ہوئی ہیں۔ ایک محاذ پر اسے بھارت جیسے شاطر اور کم ظرف دشمن کا سامنا ہے تو دوسری جانب اسے بیرونی اور اندرونی خلفشار کا بھی سامنا ہے۔ پاک فوج سرحدوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ اندرونی محاذ پر دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے جو خدانخواستہ اس پاک سرزمین کی سرحدوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔ اس یوم دفاع پر دعا ہے کہ اللہ تعالی اس ملک کو سلامت رکھے اور پاک فوج میں یونہی وطن پر جانثار ہونے کا جذبہ قائم رکھے (آمین یارب العالمین)

ہے جرم اگر وطن کی مٹی سے محبت
یہ جرم سدا میرے حسابوں میں رہے گا

منقبت در شانِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

شاعر: ارسلان اللہ خان

مرادِ مصطفیٰ، فاروقِ اعظم رض
ہمارے رہنما، فاروقِ اعظم رض
خدا کو بھی، نبی کو بھی پسند ہے
تمہارا فیصلہ، فاروقِ اعظم رض
ہے بے شک سب سے آعلیٰ بعدِ صدیق
تمہارا مرتبہ، فاروقِ اعظم رض
نبیِ پاک نے مانا کئی بار
تمہارا مشورہ، فاروقِ اعظم رض
ے توریت اور ہے انجیل میں بھی
تمہارا تذکرہ، فاروقِ اعظم رض
شعور، حکمت، مروت، عدل و انصاف
شجاعت کی ضیا، فاروقِ اعظم رض
نبی سے عشق کرنا ہی تھا بے شک
تمہارا فلسفہ، فاروقِ اعظم رض
محمد مصطفیٰ کی جو رضا ہے
تمہاری ہے رضا، فاروقِ اعظم رض
وہی ہیں ارسلاں دوئم خلیفہ
امامِ باصفا، فاروقِ اعظم رض

یوم دفاع

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

دینِ اسلام نے اپنی انسان ساز اور فضیلت آفرین تعلیمات میں مسلمانوں کے اوپر جن چیزوں کی حفاظت اور پاسداری لازم قرار دی ہے وہ جان، مال، ناموس اور آبرو ہیں۔ جو کوئی بھی ان چیزوں کو خطرے میں ڈالے، اس سے مقابلہ اور دفاع کرنا ضروری ہے۔ دفاع چاہے وطن کی سلامتی کے لیے ہو یا مذہب کی محافظت کے لیے دونوں اپنی جگہ معتبر ہیں۔ جانی ومالی نقصان پہنچانے والوں یا توہین وبے احترامی کرنے والوں کے ساتھ ـــــ لڑائی، دست بہ گریبان ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص اپنے گھر سے باہر اپنا یا اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے ناخواستہ طور پر غصہ ونادانی کے سبب کسی کو زخمی یا قتل کرنے کا مرتکب ہو جائے تو ایسی صورت میں جان، مال اور ناموس کا دفاع جائز ہے بلکہ اگر مسلمان دفاع کی حالت میں قتل ہو جائے تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے ـــــ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمینہ خصلت نے قصرِ نبوت پر ڈاکہ زنی کی ناپاک جسارت کی، غیور مسلمانوں کی تلواریں اللہ کا انتقام بن کر اس کی جانب لپکیں اور اس ملعون کو واصلِ جہنم کر دیا، دفاع ختمِ نبوت کے لیے قربانیاں دینے والوں کی لازوال داستانیں تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف میں درج ہیں۔ پاکستانی تاریخ گواہ ہے کہ دشمنوں نے جب بھی پاک سرزمین کی سرحدوں پر گندی نگاہ ڈالی تو اقبال کے شاہینوں نے ان بدنیت و بدخصلت دشمنوں کی آنکھیں نوچ ڈالیں۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے، آپ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لیے، دینِ محمدی ﷺ کے دفاع کے لیے، اپنی پاک سرزمین کی حفاظت اور سلامتی کے لیے اپنا وقت لگانا، اپنا حصہ ڈالنا ہی اصل مقصودِ حیات ہے۔

یوں بھی تو جاں سے گزرنا ہے
کیوں نہ تم ﷺ پر فدا ہو جائیں

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرنا اور اگر کوئی دوسرا شخص کسی مسلمان کی عزت کو داغدار کرے تو اس کا دفاع کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اگر آج ہم احساس کرتے ہوئے اپنی عزت کی طرح دوسرے

مسلمان کی عزت کی حفاظت کریں تو یقیناً معاشرے میں امن عافیت کی فضاء قائم ہو گی جس سے نیکی اور خیر کو تقویت ملے گی۔

ان شاءاللہ

☆☆☆☆

مناسب فاصلہ

صفدر علی حیدری

افسانچہ

گرمیوں کے دن تھے۔میں نانا جان کے کھیتوں میں اپنے قد کے برابر اگے کپاس کے پودے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔میرے کزن بھی وہاں موجود تھے۔کہنے لگے ہمیں آج ان پودوں کی چھدرائی کرنا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم کچھ کہتے وہ ٹریکٹر لے کر کھیت میں داخل ہوئے، تھوڑی ہی دیر میں دس پندرہ فیصد پودوں کو اکھاڑ ڈالا۔پھر خود ہی کہنے لگے۔پودوں کے درمیان مناسب فاصلہ ہو تو خوب پھلتے پھولتے ہیں۔تب مجھے اچانک۔احساس ہوا کہ رشتوں میں بھی مناسب فاصلہ برقرار رہے تو خوب پنپتے ہیں۔

☆☆☆☆

نیوی کا کردار

محمد ذوالقرنین؛لودہراں

دیگر دفاعی اداروں کی طرح ستمبر 1965ء کی جنگ میں نیوی کی جنگی سرگرمیاں بھی قابل فخر رہیں۔اعلان جنگ ہونے کے ساتھ بحری یونٹس کو متحرک اور فعال کر کے اپنے اپنے اہداف کی طرف روانہ کیا گیا۔کراچی بندرگاہ کے دفاع کے ساتھ ساتھ ساحلی پٹی پر پٹرولنگ شروع کرائی گئی۔پاکستان کے بحری، تجارتی روٹس کی حفاظت بھی پاکستان بحریہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔لہذا سمندری تجارت کو بحال رکھنے کے لیے گہرے سمندروں میں بھی یونٹس بھجوائے گئے۔

پاکستان نیوی کی کامیابی کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ پوری جنگ کے دوران پاکستان کا سامان تجارت لانے لے جانے والے بحری جہاز بلا روک ٹوک اپنا سفر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی بحریہ کو بندر گاہوں سے باہر تک نہ آنے دیا۔ پاکستان نیوی کی کامیابی کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ ہے ہندوستان کے تجارتی جہاز "سرسوتی" اور دیگر کو کتنے عرصہ تک پاکستان میں زیر حراست و حفاظت کراچی کی بندر گاہ میں رہے۔ 7 ستمبر کا دن پاکستان کی فتح اور کامیابیوں کا دن تھا۔ پاکستان نیوی کا بحری بیڑا، جس میں پاکستان کی واحد آبدوز پی این ایس غازی بھی شامل تھی۔ ہندوستان کے ساحلی مستقر "دوارکا" پر حملہ کے لیے روانہ ہوئی۔ اس قلعہ پر نصب ریڈار ہمارے پاک فضائیہ کے آپریشنز میں ایک رکاوٹ تھی۔ مذکورہ فلیٹ صرف 20 منٹ تک اس دوارکا پر حملہ آور رہا۔ توپوں کے دھانے کھلے اور چند منٹ میں دوارکا تباہ ہو چکا تھا۔ پی این ایس غازی کا خوف ہندوستان کی نیوی پر اس طرح غالب تھا کہ ہندوستانی فلیٹ بندر گاہ سے باہر آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ ہندوستانی جہاز "تلوار" کو پاکستانی بیڑے کا سراغ لگانے کے لیے بھیجا گیا مگر وہ بھی "غازی" کے خوف سے کسی اور طرف نکل گیا۔

☆☆☆☆

ایک عظیم خاتون

جنّت خان۔ بہاولنگر

یہ کہانی ہے ایک عظیم عورت کی جو 31 جولائی 1893 میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئی۔ جب فاطمہ دو سال کی تھی تو ماں کا سایہ سر سے چھن گیا اور پھر کم عمری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو زندگی میں مشکلات سر اٹھانے لگیں۔ زندگی اُس وقت سہل ہو جایا کرتی ہے اور گھنا سایہ بن جایا کرتی ہے جب کوئی شجر نما شخص محافظ بن جائے اور وہ محافظ وہ دلیر شخص تھا اُسکا بڑا بھائی اور ویسے بھی بہنیں بھائیوں کی جان ہوا کرتی ہیں۔ فاطمہ بھی جان تھی اپنے بھائیوں کی فاطمہ کے بھائی نے اسے پڑھانے کا فیصلہ کیا یہ ایک فیصلہ نہیں تھا ایک حوصلہ تھا اُن تمام لڑکیوں کو اُنکا حق دلوانے کا اُن والدین کو روشن خیال دینے کا۔ بر صغیر میں پیدا ہونے والی یہ بہادر عورت ایسی خاتون تھیں، جنہوں نے زندگی کے تسلسل کو اور زندگی کی مشکلات کو کم عمری میں سمجھنا سیکھ لیا تھا مشکلات کے ساتھ چلنا اس کے ساتھ زندگی گزارنا اور اُن سے آنکھیں ملانا سیکھ لیا تھا۔ انسان جب اپنے اندر کا خوف ختم کر دے تو باہر کی کوئی چیز اسے ڈرا نہیں سکتی، فاطمہ بہادر تھی اس نے اپنے بھائی کو بر صغیر کے لئے جدوجہد کرتے دیکھا تو اس کے ذہن میں اس کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہوئی ایسی لگن جو حیرت انگیز تھی، جو عام لڑکی کے خیال میں نہیں آئی تھی۔ فاطمہ نے اپنے بھائی جو مُسلسل بر صغیر میں مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے تھے ان کے ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا۔

اور وہ بھائی وہ عظیم انسان تھے محمد علی جناح "قائد اعظم محمد علی جناح"، اور وہ عظیم کردار کی مضبوط اور اعلیٰ عورت تھیں فاطمہ بنت پونجا جناح۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن فاطمہ جناح ہی تھیں، آپکا پیدائشی نام فاطمہ علی جناح تھا۔ فاطمہ جناح ایک عہد ساز خاتون تھیں جنہوں نے بیسویں صدی کی خواتین کے لئے سیاسی سفر کی شروعات کی۔ فاطمہ جناح پوری قوم کے لئے بحیثیت ماں کا درجہ رکھتی ہیں اِس لیے تمام قوم اِنکو مادرِ ملت کے نام سے یاد کرتی ہے اور یہ عظیم الشان خاتون مادرِ ملت کے خطاب سے نوازی گئیں۔ فاطمہ جناح کے قوم پر اِس قدر احسانات ہیں کہ اُنکو کسی طرح بھی شُمار نہیں کیا جا سکتا۔ بظاہر خاموش طبیعت کی یہ خاتون تھیں مگر بہادر اتنی کے انکے بھائی محمد علی جناح انکے بغیر انکے مشوروں اور اِنکی رہنمائی کے بغیر ادھورے تھے، قائد اعظم کی سیاسی پاور

اور حوصلہ فاطمہ جناح کا مرہون منت تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا کہنا ہے میں نے کوئی بھی سیاسی یا کوئی بھی بڑا فیصلہ اپنی بہن فاطمہ سے پوچھے بغیر اور فاطمہ کے مشورے کے بغیر کبھی نہیں کیا۔ اپنے سنا ہو گا ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، ہاں جی بلکل اس مقولے کو سچ ثابت کرنے والی وہ عظیم کردار خاتون محترمہ فاطمہ جناح ہی ہیں جنہوں نے ثابت کیا اپنے بہترین مشوروں سے قائد اعظم محمد علی جناح کو کامیابیوں کی طرف رواں دواں رکھ کر۔ فاطمہ جناح نے اپنے آخری ایام تک اپنے پیارے بھائی کا ساتھ دیا۔ فاطمہ جناح کی وفات 9 جولائی 1967 کو ہوئی۔ قائد اعظمؒ نے خود فرمایا فاطمہ جناح میرے لئے حوصلے کا ذریعہ ہیں، ان دنوں جب مجھے خدشہ تھا کہ برطانیہ حکومت مجھے قید کر لے گی تو فاطمہ نے ہی مجھے حوصلہ دیا۔ پاکستان کے ساتھ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا نام ہمیشہ زندہ و قائم دائم رہے گا اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کا نام بھی لیا جاتا رہے گا۔ اگر ہم مادرِ ملت کی حیات کی خوبیاں اور ان کی ذاتی خصوصیات شمار کرنا چاہیں تو اس کیلئے ہمیں قائد اعظم کی کامیاب زندگی کو دیکھنا پڑے گا یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ کسی بھی عظیم کام کیلئے ان تھک محنت، کوشش اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں اسی وقت میسر آتی ہیں جب انسان اپنے ارد گرد کے ماحول میں پُر سکون اور یکسوئی سے رہ رہا ہو، چھوٹی چھوٹی پریشانیاں اور بڑے بڑے مسائل اس کے مقصد کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹ نا بن سکیں، تو پھر ایسا تب ہی ہوتا ہے جب ان سب چیزوں کو سنبھالنے والا کوئی ہو۔ اگر ہم قائد اعظمؒ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو جب ان کی سیاسی زندگی انتہائی مصروف اور اہم موڑ پر تھی تو محترمہ فاطمہ جناح ان کیلئے ایک عظیم سہارا بن کر سامنے آجاتی تھیں۔ قائد اعظمؒ کے تمام بوجھ کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیتی تھیں، صرف یہ ہی نہیں ان کی دیکھ بھال ایک ماں کی طرح کرتی تھیں۔ وہ اپنے وقت اور مصروفیات کا بہترین شیڈول بنا کر رکھتی تھیں، اور جہاں کہیں قائد اعظمؒ پریشان نظر آتے تو محترمہ فاطمہ جناح شانہ بشانہ آکھڑی ہوتی تھیں۔ پھر تمام مسائل مشکلات و تکالیف ایسے حل ہوتے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ مختصر یہ کے ہماری قوم کو ایک عظیم الشان قائد اعظم اور عظیم کردار خاتون محترمہ فاطمہ جناح کی ایک بار پھر سے اشد ضرورت ہے تاکہ قوم کو یکجا اور متحد کیا جا سکے۔

☆☆☆☆

کیا ہم آزاد ہیں؟

فرحت عباس چوہان

ایک ایسا عظیم ملک حاصل کرنے کی خواہش کہ جس میں مسلمان آزادی سے رہ سکیں۔ جہاں وہ روزی روٹی کمائیں تو صرف اپنے بچوں کے لیے۔ جہاں انسانیت کا درس ملے اور ان کے حقوق پامال نہ ہوں۔ ان کی ماؤں، بہنوں کی عصمت دری نہ ہو. ایسے ملک کی خواہش میں بہت سی ماؤں نے اپنے لال، بہنوں نے اپنے شیر دل محافظ اور بہت سی عورتوں نے اپنے سہاگ قربان کیے۔ یہ سب کس لیے؟ آزادی کے لیے. یہ آزادی کی جنگ اتنی آسان نہ تھی لیکن پھر بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ وجہ کیا تھی؟" آزادی". میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم آزاد ہیں؟ کیا ہم ایسا ملک حاصل کر پائے کہ جس کا خواب ہمارے آباؤاجداد نے دیکھا؟ درحقیقت بات تو یہ ہے کہ ہم نے 75 برس پہلے بظاہر انگریزوں سے آزادی تو حاصل کر لی لیکن ہم آج بھی ان کے غلام ہیں۔ ہمارے بچے 75 برس بعد آج بھی غلام پیدا ہو رہے ہیں. ۔ ہماری سوچ غلام ہے۔ جس کی وجہ سے آج بھی ویسٹرن کلچر پر فدا ہیں، یہاں تک کہ اپنی ڈریسنگ بھی یورپین طرز پر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم بھول چکے ہیں کہ ہماری پہچان کیا ہے اور تو اور ہمارے تعلیمی اداروں کا پہناوا بھی اسی کلچر کی نشاندہی کرتا ہے اور چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ ہم کل بھی غلام تھے اور ہم آج بھی غلام ہیں۔ کچھ نااہل حکمرانوں کی وجہ سے ہمارا ملک اس نوبت پر آ پہنچا ہے کے اس کی بقاء کیلئے ہمیں بار بار آئی ایم ایف کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ ان کی منت سماجت کر کے کہتے ہیں کہ حضور ہماری آزادی آپ لیں اس کے عوض ہمیں کچھ قرض عطا کریں تاکہ وینٹیلیشن پر پڑے اپنے ملک کو اس قرض سے آکسیجن فراہم کر سکیں۔ وہ ہماری مدد تو کرتے ہیں لیکن صرف اور صرف ہمیں غلام بنانے کیلئے۔ آپ کے ذہن میں شاید سوال اٹھے کہ وہ کیسے؟ تو میں آپ کی سوچوں کا رخ برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف موڑوں گا جہاں آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اجداد سارا سال کما کما کر ٹیکسوں کی مد میں اپنی کمائی کمپنی بہادر کی نظر کر رہے ہیں۔ 14 اگست کے بعد کمپنی تو یہاں سے چلی گئی لیکن اپنے نیٹ ورک کو اتنا مضبوط بنایا کے آج بھی ہم کما کر انہیں دے رہے ہیں فرق بس اتنا ہے کہ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اب آئی ایم ایف۔

لگانے آگ جو آئے تھے آشیانے کو، وہ شعلے اپنے لہو سے بجھا دیے تم نے!

سیدہ حفظہ احمد حیدرآباد سندھ

پاکستان کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر رکھی گئی۔ یہ کلمہ مسلمانوں کی طاقت تھا۔ اس کلمے کی طاقت ایسی ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کو مزید بڑھا کر تازہ کر دیتی ہے، گویا کہ مسلمانوں میں کلمہ حق کے ذریعے ایمانی طاقت کو پرو دیا گیا ہو۔ اسی طاقت کی بنیاد پر پاکستان سے پہلے بھی کئی جنگیں مسلمانوں نے لڑیں اور فتح حاصل کی اور دشمن کو نیست و نابود کیا۔

اسی طرح ایک اور جنگ پاکستان بننے کے بعد ستمبر 1965 میں لڑی گئی، جس کی فتح پاکستانیوں کا سر بلند کر دیتی ہے۔ یہ تاریخ عالم کا کبھی نہ بھولنے والا قابلِ فخر دن ہے۔ اس عظیم جنگ کے یادگار دن کو "یوم دفاع" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی عظیم جنگ تھی، جس میں ہندوستان نے پاکستان کو آگاہ کیے بغیر حملہ کیا لیکن اس کے باوجود اسے منہ کی کھانی پڑی، اور پاک فوج نے دشمن کے تمام عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ یہاں تک کہ انہیں بین الاقوامی سطح پر بھی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دن کو اس لیے پورے پاکستان میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے تاکہ اس زمین میں جن قربانیوں کا لہو ہے، وہ لہو ضائع نہ ہو۔ وہ ماؤں کے لخت جگر جنہوں نے قربانیاں دیں ان ماؤں کا دل پر سکون رہے کہ ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئی، ان کا سر فخر سے بلند رہے۔ یہ جنگ ایک بہت بڑا چیلنج تھی، جس میں ریاستی نصب العین، دو قومی نظریہ، حب الوطنی، جان نثاری اور فوجیوں کی جواں مردی کو للکارا گیا۔ رات کے اندھیرے میں کئی گنا بڑے لشکر نے اپنے پڑوسی ملک پر بغیر کسی خبر کے حملہ کیا۔ لیکن جری قوم نے ہمت مرداں مدد خدا کے ساتھ، باکمال وقار، بلند و پختہ حوصلے سے اس چیلنج کو قبول کیا۔ ان کا صرف ایک مقصد تھا ملک کو بچانا ہے، دشمن کا سامنا کر کے فتح حاصل کرنی ہے۔ جن قوموں کے حوصلے بلند اور ارادے پختہ ہوں وہ کوئی بھی میدان ہو، پیچھے نہیں رہتیں۔

اے مرد مجاہد جاگ ذرا،
اب وقت شہادت ہے آیا!

وسائل نہ ہونے کے باوجود اتنے بڑے لشکر (جو کہ پانچ سو ٹینکوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا) کے مقابلے میں ایک چھوٹا عنصر بلند جذبہ لے کر اللہ اکبر اور پاکستان زندہ باد کی صدائیں بلند کرنے لگا۔ اس وقت جب صدر ایوب خان نے ایمان افروز اور جذبۂ مرد مجاہد سے لبریز تھے، قوم سے خطاب کیا کہ اٹھو نوجوانوں دشمن پر ٹوٹ پڑو۔

ہندوستانی فوج کے کمانڈر ان چیف کا مقصد یہ تھا کہ لاہور پر حملہ کر کے رات کو لاہور کے جم خانہ میں شراب کی محفلیں سجائیں گے لیکن پاکستان کے فوجی نوجوانوں نے جواں مردی کا مظاہرہ کر کے ان کا یہ عزم خاک میں ملا دیا۔ پاکستانی فوج کے جوانوں نے اسلحہ و بارود سے نہیں بل کہ اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر ہندوستان کی فوج اور ٹینکوں کو اڑا دیا۔

لگانے آگ جو آئے تھے آشیانے کو
وہ شعلے اپنے لہو سے بجھا دیے تم نے

وہ چاہتے تھے کہ لاہور پر حملہ کر کے اسے قبضے میں کر لیں، انہوں نے سیالکوٹ اور سندھ کے صحرائی علاقوں پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی لاہور کے تیرہ اطراف سے حملہ کرنے کا عزم کیا لیکن ستلج کے مٹھی بھر نوجوانوں نے ان کا راستہ روک لیا اور آخری سانس تک لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا۔

انہوں نے باٹا پور پر قبضہ کرنا چاہا، لاہور میں جانے کے لیے نہر بی آر بی کا پل ختم کرنا ضروری تھا۔ یہ کام دن کے وقت مشکل تھا، رات کے وقت انہوں نے یہ کام سر انجام دینا چاہا لیکن دشمن کے لوگوں کے بوچھاڑ کے باوجود پل تک دھماکہ خیز مواد لے جانے کے باعث ایک نوجوان شہید ہوا اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ دشمن نے تیرہ بڑے حملے کیے لیکن اس کے بعد وہ سترہ دن تک ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکے۔

راوی کے پل پر قبضہ کرنے کی خاطر انیس حملے کیے۔ لاہور کو راولپنڈی سے کاٹنا چاہا لیکن الٹا منہ کی کھائی۔

اسی طرح فضائیہ نے بھی اپنے مشن کو پورا کرنے میں پر زور دفاعی اداروں کی طرح قابل فخر کام کیا۔ ایئر مارشل اصغر خان اور نور محمد نے اپنے دشمن کے خلاف جنگی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے سات ستمبر کو اپنے اپنے مجوزہ ہدف کے مطابق دشمن پر جھپٹ پڑے۔ وطن پاکستان حرمت و عظمت کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنی جان کے

نذرانے پیش کیے۔ یوں ہی بحری فوج بھی اپنے مقامات پر تعین تھی، انہوں نے ہندوستانی بحری فوج کو بندرگاہوں سے باہر نہ آنے دیا۔ یہ جنگ بائیس ستمبر تک جاری رہی، اپنے مقصد کا محاذ منتخب کرکے، جنگ کی تیاری کے ساتھ جنگ میں پہل کرکے، بغیر خبر کیے کئی گنا بڑا لشکر ہونے کے باوجود بھی دشمن کو پاکستانی فوج نے جواں مردی کا مظاہرہ کرکے وطن کی خاطر جانیں قربان کیں۔ اس جنگ میں شہید ہونے والے شہداء کو تمغہ "نشان حیدر" سے نوازا گیا، جو کہ سب سے بڑا فوجی اعزاز ہے... پاکستان معاشی مسائل کا شکار تو ہے لیکن غیر ملکی خطرات سے محفوظ ہے۔ کیوں کہ پاک فوج چوبیس گھنٹے ملک کے بیرونی اور داخلی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ پاک فوج اپنے ملک پاکستان سے وفادار ہے۔

ایک شاعر لکھتا ہے:

اٹھو تم کو شہیدوں کا لہو آواز دیتا ہے
خدا بھی اہل ہمت کو پرواز دیتا ہے

آج ہم چین و سکون کی نیند سو پاتے ہیں تو یہ پاک فوج ہی ہے، جو ہمیں دشمن کے حملوں سے بچائے ہوئے ہے۔ بارڈر پر تعینات یہ فوجی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے، دشمن کی میلی نگاہ سے بچائے۔ پاکستان کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا کرے۔ اس ملک کے باشندوں میں پیار، محبت اور ایثار کا جذبہ عطا کرے۔ آمین!

☆☆☆☆

باہمت انسان بنو

ایوب اختر، لیاقت پور

باہمت انسان بنو
جرات کا عنوان بنو

ملت جن پر ناز کرے
ایسے شیر جوان بنو

باطل کو نابود کرو
ایسا اک طوفان بنو

گھبراؤ مت مشکل سے
ہمت کے سلطان بنو

کام آؤ دکھیاروں کے
درد کا تم درمان بنو

شان عیاں ہو ہر اک پر
ایسے عالی شان بنو

☆☆☆☆